ارشاد السالکین
حصہ دوم
حضرت مولانا محمد اکرم اعوان دامت برکاتہم
ناشر
ادارۂ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان
منارہ چکوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج کے اس مقالہ میں ایک نہایت اہم ضرورت کا احساس دلانا مقصود ہے، ایک ایسی ضرورت جو سب مسلمانوں کی ہے خواہ وہ دنیا کے کسی حصے میں بستے ہوں۔ گورے ہوں یا کالے، امیر ہوں یا غریب، عالم ہوں یا عامی بہر حال ان کا یہ ایک وصف یعنی مسلمان ہونا ان کے لیے یہ ضرورت پیدا کر دیتا ہے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ آج کی نئی روشنی کے اندھیروں میں اس کی ضرورت اور بڑھ گئی ہے۔ مگر اس کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اس ضرورت کا احساس نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہے۔ میں آپ کو زیادہ دیر تمہید میں الجھائے نہیں رکھنا چاہتا۔ سو آیئے اب ضرورت پر کھل کر بات ہو جائے۔

ذکرِ الٰہی مسلمان کی اہم ضرورت ہے

ارشادِ باری عزواسمہٗ ہے، یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا وَّسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا ؛

یعنی اے اہلِ ایمان! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو۔

ارشادِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا: ایّ الاعمال افضل یا رسول اللہ ؟ تو حضورؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا، اَنْ تفارق الدُّنیا وَ لِسانکَ رطباً مِنْ ذِکرِ اللّٰہ : یعنی صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! کونسا عمل سب سے افضل ہے تو حضورِ اکرمؐ نے فرمایا کہ افضل ترین عمل یہ ہے کہ جب تو دنیا سے جانے لگے تو تیری زبان پر اللہ کا نام ہو۔

آیۂ کریمہ میں مومنین کو خطاب ہے اور یہ خطاب مومنین ہی کیساتھ خاص ہے۔ پورے قرآن مجید میں کسی جگہ بھی غیر مومنین کو یہ حکم نہیں دیا گیا۔ ھاں جس جگہ ذکر نہ کرنے کے نقصان بیان ہوئے۔ وہاں اشارۃً غیر مومنین

کا ذکر بھی آجاتا ہے۔ گویا مومن کا قرآنی تصور یہ ہے کہ مومن بغیر ذکرِ الٰہی رہ ہی نہیں سکتا۔ اور نہ ایسا سوچا جا سکتا ہے۔
یوں تو ذکرِ الٰہی کے بارے میں آیاتِ قرآنی کی تعداد محققین نے آٹھ سو سے زائد بتائی ہے۔ مگر ان میں ستر کے قریب آیات براہِ راست ذکر کے حکم سے متعلق ہیں۔ باقی آیات میں بالواسطہ کہیں ذکر کے فضائل بیان ہوئے کہیں ذکر نہ کرنے کے نقصانات۔ کہیں ذکرِ الٰہی کرنے والوں کے لیے انعام کا وعدہ۔ کہیں ذکر نہ کرنے والوں کی محرومیوں کا تذکرہ ہے۔ اس مقالے میں اسی آیۂ کریمہ کے حوالہ سے بات ہوگی۔ جسے شروع میں تلاوت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔
بہتر ہوگا کہ پہلے دو بنیادی سوال عرض کر دیئے جائیں۔ جو ذکر کی دعوت پر وارد ہوتے ہیں۔

پہلا سوال

دین مکمل ہوچکا ہے اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلّم کے دارِ فانی سے پردہ فرمانے سے پہلے دین کی تکمیل کی خبر اللہ کریم نے دے دی۔ جب ارشاد ہُوا : اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً : یعنی آج کے دن ہم نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی۔ اور دینِ اسلام کو تمہارے لیے پسند کیا۔" چنانچہ اس وقت سے آج تک ارکانِ دین بڑے واضح ہیں۔ یعنی کلمہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج۔ تو ایک مسلمان جب نماز پڑھتا ہے۔ زکوٰۃ دیتا ہے، روزہ رکھتا ہے استطاعت ہو تو حج کرتا ہے۔ مزید برآں تلاوت کرتا ہے تسبیحات پڑھتا ہے بعض خوش نصیب تبلیغ کے لیے سعیٔ بلیغ کرتے ہیں۔ کچھ حضرات اس سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اپنے دین، اپنے دیندار ملک اور قوم کی حفاظت کرتے ہوئے جان دے دیتے ہیں۔ تو آپ اس پر بھی راضی نہیں کہ ان سب کے

باوجود ذکر کی ضرورت پر بات کرنا چاہتے ہیں ۔ اور ایک نئی ذمہ داری کا اضافہ کر رہے ہیں اور پھر اس دور میں ۔جب لوگ دین کے ان بنیادی تقاضوں کو پورا کرنے میں بھی غفلت کا شکار ہیں جو مہمات امور شمار ہوتی ہیں ۔

دوسرا سوال

ایک اور سوال اس وقت ابھرتا ہے ۔ جب ذکر الٰہی کا طریقہ سیکھنے اور ذکر پر مرتب کیفیات کے حصول کے لیے کسی خاص آدمی کی صحبت میں حاضری کی دعوت دی جاتی ہے ۔ جب اللہ کا ذکر ہی کرنا ٹھیرا تو ہر مسلمان از خود اپنے طور پر خود کیوں نہ کرتا رہے ؟

آیئے ! ان دو سوالوں کی حقیقت اور ان کے جواب پر گفتگو کرتے ہیں ۔

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے ۔ ذکر الٰہی کی حقیقت سمجھ لینا ضروری ہے ذکر الٰہی دراصل بندے اور اس کے رب کے درمیان تعلق قائم رکھنے کا واحد ذریعہ ہے ۔ اللہ کی ذات والا صفات انسان کی عقل اور اس کے ادراک کی رسائی سے بالاتر ہے ۔ نہ اس کی کوئی مثال دی جا سکتی ہے ۔ نہ رنگ نہ صورت ۔ نہ اُسے کسی حد میں محدود تصور کیا جا سکتا ہے ۔ مختصر یہ کہ انسانی عقل اور وہ علم جس کا مدار عقل یا ذہن پر ہے دونوں کی پہنچ سے بالاتر ہے ۔ اور ایسا ہونا بھی چاہیئے ۔کیونکہ انسان کے تمامتر عقلی اور علمی کمالات مخلوق ہیں ۔اور وہ خالق ہے ۔یہی وجہ ہے کہ دنیا کسی دور میں بھی حکما ، فلاسفہ اور دانشوروں سے خالی نہیں رہی ۔ مگر ذات باری کے متعلق کوئی بھی وثوق سے کچھ نہ کہہ سکا ۔ اس کے متعلق بات جب بھی کی ان ہستیوں نے کی جنہیں انبیاء و رسل کہتے ہیں ۔ اس کی ذات کی خبر دی ، اس کی صفات بتائیں ، اس کے احسانات بیان کیے ۔ اس کی مرضیات یعنی ایسے امور جن سے وہ راضی ہوتا ہے تعلیم فرمائیں ۔ اس لیے

کہ نبوت عقل و ذہن کا نہیں دل کا زیور ہے ۔ اور دل یا قلب سے وہ لطیفہ روحانی مراد ہے ۔ یہ دھڑکنے والی مشین ہے ۔ روح چونکہ خود امرالٰہی سے ہے اور امر اللہ کریم کی صفت ہے، سو یہ اس جہان کا باسی ہے جہاں الفاظ کے جھمیلوں کے بغیر اور تشبیہ و استعارہ کی دنیا سے دور رہ کر اللہ کی عظمت اس پہ وارد ہوتی ہے ۔ جیسا کہ مولانا روم فرماتے ہیں ۔

؎ اے خدا بنما تو جاں را آں مقام

کاندرو بے حرف می روید کلام

اس کی کیفیات کو محسوس تو کیا جا سکتا ہے بیان نہیں کیا جا سکتا ۔

اس حقیقت پر غور کیجئے کہ نزول کتاب الٰہی قلب پر ہوتا ہے ۔ کما قال اللہ تعالیٰ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ؛
یعنی اس قرآن حکیم کو روح الامین آپؐ کے قلب اطہر پر لائے کہ آپؐ انسانیت کو آخرت کے خطرات سے مطلع فرمائیں ۔

ذکر قلبی

گو یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ تمام انسانی عقول میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عقل کامل ترین اور افضل ترین عقل ہے ۔ مگر قرب الٰہی قلب اطہر کو نصیب ہوا کیونکہ اس کی استعداد صرف اسی قلب کو عطا ہوئی ۔ یہ ہے قلب کا مقام ۔ اور اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قلب کی حیات ذکر الٰہی سے ہے ۔ کما قال اللہ تعالیٰ، أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۔ یعنی قلوب کو اطمینان صرف اللہ کے ذکر ہی سے ملتا ہے ۔ اور اگر اللہ کریم کسی سے ناراض ہو جائیں تو اسے جو بہت بڑی سزا دی جاتی ہے وہ یہی ہے کہ اس کے دل کو اللہ کے ذکر سے غافل کر دیا جاتا ہے ۔ اور ایسا آدمی منہ لگانے کے قابل نہیں رہتا ۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے : وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ

عَنْ ذِكْرِنَا۔ یہ کتنی بڑی محرومی اور بدبختی ہے۔ انداز بیان پر غور کیجئے ــــ ہم نے جس کے قلب کو اپنی یاد سے غافل کر دیا ــــ یعنی یہ غفلت اس کے کرتوتوں کی وجہ سے بطور عذاب اس پر مسلط ہے۔ اس بیان سے یہ ثابت ہوا کہ انسان کے قلب کا تعلق اپنے رب سے جو جُڑا رہ سکتا ہے تو اس کا واحد ذریعہ ذکر الٰہی ہے۔ یہ چھوٹا تو تعلق ٹوٹا۔

نماز اور ذکر الٰہی :

اب آیئے نماز روزہ دیگر عبادات کی طرف۔ تو یہ سب ذکر الٰہی کی فرد ہیں اور ذکر الٰہی میں شامل ہیں۔ بلکہ ہر کام جو سنتِ نبوی کے مطابق کیا جائے وہ ذکر الٰہی ہے۔ مگر ان سب کے باوجود اللہ کریم کے ذاتی اسماء مبارک کی تکرار ان تمام امور کے لیے بھی نہ صرف ضروری ہے بلکہ ان کی جان ہے۔ مثلاً ارشاد باری ہے: اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ کہ میری یاد کی خاطر نماز قائم کرو۔ اور یاد فعل ہے قلب کا۔ اور کام کرنے کے لیے زندگی ضروری ہے۔ اور قلب کی زندگی اللہ کا ذکر ہے۔ اسی لیے ارشاد ہوا: فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ۔ یعنی جب نماز ادا کر چکو تو کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ یعنی اگرچہ نماز بھی ذکر تھی مگر نماز تو ختم ہو چکی۔ ذکر ختم نہیں ہوا۔

حج اور ذکر الٰہی :

یہی حال حج کا ہے کہ اس میں بھی تاکید کی گئی کہ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا: یعنی پہلے ایام جاہلیت میں جس اہتمام اور کثرت سے اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں کا ذکر کرتے تھے اب اللہ کا ذکر کیا کرو۔ ظاہر ہے کہ حج کے دوران جس کام پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی تھی وہ یہی تھا۔ اسی لیے ارشاد ہوا کہ اب یہ اہتمام میرا ذکر کرنے کے

لیے کیا کرو۔ اسی طرح کی تاکید مشعرِ حرام میں اللہ کا ذکر کرنے کیلئے کی گئی ہے۔

روزہ اور ذکرِ الٰہی:

یہی حال صَوم یعنی روزے کا ہے۔ حدیث قدسی ہے "الصّوم لی" کہ روزہ تو ہے ہی میرے لیے۔ اور روزہ صرف بھوکے پیاسے رہنے کا نام نہیں بلکہ اپنی تمام خواہشات اور اعضاء پر کنٹرول کرنے کا نام روزہ ہے۔ زبان ہی کو لیجیے کتنا معمولی سا عضوِ بدن ہے مگر اس کے استعمال کے سلسلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ رکھ کر اگر کوئی زبان کو جھوٹ سے نہ بچائے تو اللہ کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ آدمی سارا دن فاقہ کرے۔ تو روزہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ زبان پر کوئی ناپسندیدہ بات نہ آنے پائے بلکہ کثرت سے ذکرِ الٰہی کیا جائے۔

جہاد اور ذکرِ الٰہی:

جہاد فی سبیل اللہ کو دیکھئے کتنی بڑی عبادت اور کس درجے کی قربانی ہے۔ مگر اس سلسلے میں بھی ارشاد ہوتا ہے۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ یعنی جب تم کسی جماعت کے مقابل ہوتے ہو تو جم کے لڑو (کہ مومن کا ایمان یہی ہے کہ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے سو جنگ میں پیٹھ مت پھیرنا) (اور ہاں عین میدان جنگ میں جہاں گردنیں کٹ رہی ہوں، خون کے فوارے چل رہے ہوں، لاشے تڑپ رہے ہوں اور تم جان ہتھیلی پر رکھے مصروفِ قتال ہو) ایسی حالت میں بھی اللہ کا ذکر کثرت سے کرنا تاکہ فلاح پاسکو۔

ذرا ذکرِ الٰہی کی ضرورت اور اہمیّت کا اندازہ کیجئے یہ جو بار بار ذکرِ کثیر کا حکم دیا جارہا ہے تو اس کا مفہوم یہی سمجھ میں آتا ہے کہ انسان زندگی میں جتنے بھی امور سرانجام دیتا ہے ان سب سے زیادہ اللہ کا ذکر کرے ورنہ "کثیر" کیوں کر ہوگا۔

دیکھئے! انسان سب سے زیادہ جو کام کرتا ہے وہ دو ہیں، سانس لینا اور دل کا دھڑکنا۔ تو گویا ایک دھڑکن میں اللہ کا نام ایک سے زیادہ بار آئے اور ایک سانس میں اللہ کا نام ایک سے زیادہ بار آئے تو ذکر کثیر کہلائے گا۔ اللہ کریم اس کی توفیق عطا فرمائے۔

تبلیغ اور ذکرِ الٰہی:

تبلیغ و دعوتِ دین کا کام لیجئے۔ یہ دین کے بنیادی تقاضوں میں سے ہے۔ کوئی مسلمان اس سے مستثنیٰ نہیں۔ جو جسقدر جانتا ہے اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ دوسروں تک پہنچائے۔ بالکل ایسے ہی کہ جو نہیں جانتا اس کے ضروری ہے کہ جاننے والوں سے سیکھے۔ البتہ اس سلسلے میں بعض حضرات ایک بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کا خیال ہوتا ہے کہ جب ہم تبلیغ کر رہے ہیں تو پورے کے پورے دین کا حق ادا ہو رہا ہے اور یہ کام ذکرِ الٰہی سے بھی افضل ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تبلیغ مقصد نہیں بلکہ ذریعہ ہے۔ مقصد تو ذکرِ الٰہی ہے اور ذریعہ اور مقصد کے درمیان جو تعلق اور فاصلہ ہے وہ تو آپ کے علم میں ہوگا۔ اور اس حقیقت سے بھی آپ واقف ہوں گے کہ ذریعہ کسی صورت میں مقصد سے افضل نہیں ہوتا۔

خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ آئیے آپ کو تبلیغ کا ایک منظر دکھا دیں۔

فرعون اپنے پورے کروفر کے ساتھ حکومت کر رہا ہے۔ ایک عظیم سلطنت کا مطلق العنان فرمانروا ہے۔ متکبر اور ظالم اس درجے کا ہے کہ لفظ فرعون تکبر اور ظلم کی رمز (سمبل) بن گیا ہے۔ قرآن حکیم نے اس کا نام مثال کے طور پر پیش کیا ہے۔

دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ نہ مال و دولت، نہ فوج نہ سپاہ صرف ایک بھائی ساتھ ہیں۔ اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں فرعون کو تبلیغ کرنے

جاتے ہیں اس حال میں کہ بکریوں کے بالوں کا کھردرا لباس زیبِ تن ہے اور ہاتھ میں ایک دوشاخہ چھڑی بطور عصا۔ اور اللہ کریم انہیں اس مہم پر بھیجتے وقت خصوصی ہدایت یہ فرماتا ہے کہ وَلَا تَنِیَا فِی ذِکْرِی: کہ آپ دونوں بھائی اس امر کا خیال رکھیں کہ تبلیغ کے دوران فرعون اور اس کے دربار کی کروفر یا اس کے ردِّعمل کے خطرات سب کچھ مل کر کہیں ایسی صورت پیدا نہ کر دے کہ میرے ذکر کی طرف توجہ نسبتاً کم ہو جائے۔ اللہ اللہ! دونوں بھائی نبی ہیں اور نبی وہ ہستی ہوتی ہے جس سے اللہ کا ذکر چھوٹ سکتا ہی نہیں۔ مگر اس امر کا امکان تھا کہ ذکرِ الٰہی جاری تو رہے مگر زیادہ توجہ فرعون کی طرف ہو جائے۔ تو پہلے فرما دیا کہ آپ نے اللہ کا پیغام تو پہنچانا ہے مگر فرعون کی طرف توجہ دوسرے درجہ میں ہونی چاہیئے۔ اوّلیت ذکرِ الٰہی کو حاصل ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کس کی تبلیغ اس مقام تک پہنچتی ہے۔ فرعون جیسا بگڑا ہوا متکبّر کہاں اور موسیٰ علیہ السلام جیسا مبلغ کون ۔ پھر ہماری تبلیغ ذکرِ الٰہی سے افضل کیونکر ہو گئی۔ حق یہ ہے کہ تبلیغ کی جان بھی ذکرِ الٰہی ہے۔ اسی لیے بانیٔ تبلیغی جماعت حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ اس خطرے سے آگاہ فرماتے ہوئے ارشاد فرما گئے ہیں:

۱۔ آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جدوجہد بیکار ہو گی اگر اس کے ساتھ علمِ دین اور ذکرِ الٰہی کا پورا پورا اہتمام آپ نے نہیں کیا۔ گویا علم و ذکر دو بازو ہیں جن کے بغیر اس فضا میں پرواز نہیں کی جا سکتی۔

۲۔ علم و ذکر ابھی تک ہمارے مبلغین کے قبضے میں نہیں آئے۔ اس کی مجھے بڑی فکر ہے۔ اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ ان لوگوں کو اہلِ علم اور اہلِ فکر کے پاس بھیجا جائے اور ان کی سرپرستی میں تبلیغ بھی کریں۔ اور ان کے علم اور صحبت سے مستفید بھی ہوں۔

۳۔ علمِ دین اور ذکرِ الٰہی کے بغیر نکلنا تبلیغ کے لیے کچھ بھی نہیں

اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے فرمایا :
۱۔ روح کا حفاظتی قلعہ کیا ہے ؟ وہ ذکرِ الٰہی ہے جو ساری عبادات، نماز جہاد وغیرہ اور تبلیغ کے چھ نمبروں کی بھی رُوح ہے ۔
۲۔ علم و ذکر کی اہمیت کو اس سلسلہ میں کبھی فراموش نہ کیا جائے ۔ اس کا ہمیشہ خاص اہتمام کیا جائے ورنہ آپ کی تبلیغی تحریک بھی ایک آوارہ گردی ہوکر رہ جائیگی ۔
۳۔ تمام اعمال ذکر ہی کے واسطے مقرر کیے گئے ہیں ۔

اعمال سے مراد اعمالِ صالح یا عبادات ہیں ۔ جس طرح انسانوں کے درجہ جات ہیں اور افضل البشر سیّد الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا درجہ سب سے افضل سب سے اعلیٰ اور سب سے ارفع ہے ۔ اسی طرح عبادت گذار انسانوں کی عبادات کے بھی مدارج ہیں ۔ اور اس حقیقت سے انکار کی مجال نہیں کہ جس درجے کی عبادت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تھی تمام عبادت گذاروں کی مجموعی عبادت اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی ۔ آپؐ کی ذات ہی وہ ذات ہے جس نے نوعِ انسان کو معرفت باری عزّ اسمہٗ جیسی نعمتِ عظمےٰ سے سرفراز فرمایا ۔ اور انسان کو اپنے خالق کی عبادت کا ڈھنگ اور سلیقہ سکھایا ۔ حضور اکرمؐ کی عبادت، محنت و مشقت کی تعریف تو خود خالق نے یوں فرمائی کہ اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ؛ کہ اے میرے حبیبؐ ہر طلوع ہونے والا سورج آپؐ کے لئے نئی محنت شاقہ اپنے ساتھ لاتا ہے ۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے : مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی : آپؐ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ اپنے پر اس قدر محنت شاقہ کا بار ڈال لیں ۔ اور صدیقہ کائنات کے قول کے مطابق آپؐ کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ راتوں کو کھڑے کھڑے قدم مبارک متورم ہو جاتے تھے ۔ اور آنسوؤں کی جھڑی یوں لگی رہتی کہ ریش مبارک کو تر کر کے سینۂ اطہر

پر ٹپکنے لگتے۔ اس کے باوجود ارشاد ہوتا ہے، میرے محبوبؐ راتوں کو تلاوت کیجئے اور اپنے رب کے نام کی تکرار کیجئے وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اور اس انداز سے ذکر کریں کہ اللہ کے سوا ہر چیز فراموش ہو جائے۔
وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا: یعنی مخلوق سے انقطاع ایسا ہو کہ صرف خالق کی ذات ہی رہ جائے۔ سبحان اللہ! اوّل تو ذکر کا تعین ہو گیا۔ کہ ذکر سے مراد رب کریم کے نام کی تکرار ہے، یعنی اللہ اللہ کرنا۔ دوسرا یہ کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اِس سے مستثنیٰ نہیں تو دنیا میں کوئی دوسرا کیونکر مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ سورۃ مزمل جس کی یہ آیات ہیں ترتیب نزول کے اعتبار سے دوسری سورۃ ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے دوسری عبادات کی خاص ہیئت، صورت، وقت اور مقدار کی ہے۔ مگر ذکر الٰہی کی کوئی خاص صورت متعین نہیں فرمائی۔ بلکہ ہر جگہ مطلق ذکر کا حکم ہے۔ اس لیے اس آزادی کا مطلب یہ ہوا کہ ذکر الٰہی کی ہر وہ صورت۔ جو شرعی حدود کے اندر ہو گی وہی درست ہو گی۔ اور ہر ایسی حالت جو سنّت سے متصادم نہ ہو وہ ماذون ہو گی۔
اسلئے مختلف سلاسل طریقت و تصوّف میں مختلف طریقوں سے ذکر الٰہی کرایا جاتا ہے مگر ذرائع کے اختلاف کے باوجود مقصد سب کا ایک ہوتا ہے۔ کہ قلب کو ذاکر بنایا جائے اور اسے اللہ اللہ کی تکرار پر لگایا جائے۔ اور یہی چیز اوپر دی گئی حدیث پاک سے بھی واضح ہو رہی ہے۔ کہ جب آدمی پر غشی طاری ہو جائے یا ایسی حالت پیش آجائے کہ اسے گرد و پیش سے بے خبر کر دے تو بے اختیار زبان پر ایسی باتیں جاری ہو جاتی ہیں جو دل میں بیٹھی ہوئی ہوں۔ اگر کسی کی پوری توجہ دکانداری کی طرف رہی ہو تو ایسی حالت میں وہ دکانداری کی باتیں ہی کرنے لگتا ہے۔ کاشتکار کاشتکاری کی۔ لیکن

دیگر تمام امور دنیا کی طرف توجہ ثانوی رہی ہو اور مقدم اللہ کا ذکر رہا ہو اور وہ دل میں رچ بس گیا ہو تو ایسے حال میں زبان پر بھی اللہ ہی کا نام آئیگا۔ یعنی ارشاد نبوی کا مفہوم ہے جس میں فرمایا کہ تو دنیا سے اس حال میں جائے کہ موت کی سختی اور سکرات بھی تجھ سے اللہ کا نام نہ چھین سکے۔ اللہ کریم یہ سعادت ہر ذاکر کو نصیب فرمائے — میرا مقصد بات سمجھانا ہے۔ بات کو طول دینا نہیں۔ ورنہ آیات واحادیث جو ذکر الٰہی کے متعلق ہیں ان کا احاطہ کرنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

سو یہ بات طے ہوگئی کہ ذکر الٰہی انسان کی سب سے پہلی اور آخری ضرورت ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی کو احساس ضرورت ہی نہ ہو۔

دوسرا سوال :

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے جو فیض عالم انسانیت کو سیراب کر رہا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

اول تعلیمات نبوی ؐ۔ دوم برکات نبوی ؐ

تعلیمات نبوی ؐ : حضور کرم کے وہ ارشادات ہیں جن میں الہیات سے لیکر حیات انسانی تک اور عالم غیب سے لیکر عالم موجودات تک معلومات واخبار بھی ہیں اور اوامر ونواہی بھی، ذات باری، صفات باری، عالم خلق، عالم امر کے متعلق معلومات۔ پھر انسانی زندگی، اس کا تعلق عالم امر سے، عالم دنیا سے، برزخ سے اور آخرت سے۔ پھر آخرت کا یقین، فرشتوں سے متعلق خبریں، جنت ودوزخ کی باتیں، جنت کے حصول کا راستہ، جہنم سے بچنے کی تدابیر وغیرہ سب کا تعلق تعلیمات نبوی ؐ سے ہے۔ اور یہ انسان کے ایمان وعمل سے متعلق ہیں۔

برکات نبوی ؐ : ایک کیفیت کا نام ہے جو حضور اکرم ؐ کے وجود باجود سے حاصل ہوتی ہے۔ جس شخص کے دل پہ اس کی ہلکی سی لہر گزر گئی وہ اس زلف گرہ گیر کا اسیر ٹھہرا۔ اور جس کے دل پر یہ پھوار نہ پڑی اس میں سانپوں کے گھر بنتے رہے۔

کتاب اللہ سے اسی حقیقت کا سراغ ملتا ہے ۔ ارشادِ ربّانی ہے یَتْلُوْا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْہِمْ وَیُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ : یعنی اللہ کا رسول انہیں اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتا ہے یہ کام دعوت اِلیٰ اللہ ہے ۔ اور یہ سب کے لیے ہے ۔ مگر جو اس دعوت کو قبول کرلے اللہ کا رسول اس کا تزکیہ کرتا ہے ۔ اس کے بعد نہ صرف تعلیم کتاب کا عمل ہوتا ہے بلکہ اس کے ساتھ حکمت یعنی مفاہیم و مُرادِ کتاب کی دولت بھی نصیب ہوجاتی ہے ۔ یعنی ارشاداتِ نبویؐ اور دعوت الیٰ اللہ تو سب کے لیے ہے اور سب سنتے تھے مگر کتاب و حکمت کا علم ان کے حصّے میں آتا ہے جن کا تزکیہ ہوچکا ہو اور یہ تزکیہ ہی وہ کیفیّت ہے جو برکاتِ نبوی سے حاصل ہوتی ہے ۔ اور یاد رہے کہ جسے برکاتِ نبوی نصیب نہ ہوئیں اسے تعلیماتِ نبوی سے فائدہ حاصل کرنا نصیب نہ ہُوا ۔ حضورِ اکرمؐ کے ارشادات تو کفّار بھی سنتے تھے ۔ بلکہ مشرکینِ مکّہ تو اپنی گلُ پاشیوں سے سیخ پا ہوجاتے تھے ۔ حالانکہ مزاجِ انسانی میں حُسن کے لیے ایک نرم گوشہ ہر حال میں ہوتا ہے خواہ حُسن کسی چیز میں ہو ، کوئی جاندار ہو یا بے جان ۔ خوبصورت جانور اور خوبصورت پتھر بھی انسان کو متاثر کرتا ہے ۔ انسان کا چہرہ حسین ہو پھر اس میں زبان کا حُسن اور حسنِ کلام بھی شامل ہوجائے تو دو آتشہ بن جاتا ہے ۔ اور یہاں حال یہ ہے کہ حضورِ اکرمؐ کی ذاتِ اقدس میں ساری کائنات کا حُسن بیک وقت جمع ہے ۔ رُخِ انور تمام عالم سے حسین ۔ وجودِ اقدس مثالی ۔ زبانِ مبارک انتہائی شیریں اور کلام جو ارشاد ہو رہا ہے وہ کلامِ حق ۔ مگر مشرکین بجائے متوجہ اور گرویدہ ہونے کے متوحش کیوں ہوتے ہیں ۔ بس اسی وجہ سے کہ انہیں برکاتِ نبوت سے کوئی شمہ نصیب نہیں ہُوا ۔

برکاتِ نبوت جو صحبتِ نبویؐ سے حاصل ہوتی تھیں ان کی اثر آفرینی بلکہ انقلابی کیفیّت کا یہ عالم کہ جو مومن ایک لمحہ کے لیے نگاہِ کرم سے سرفراز ہوا یا اُس کی نگاہ حضورِ اکرمؐ پر پڑ گئی وہ صحابی بن گیا ۔ اور صحابی محض ایک لفظ نہیں بلکہ

صحابی وہ عالی مرتبہ ہے جو نبوّت کے بعد ساری انسانیت میں افضل ترین ہے۔ یعنی ایک پل میں اس کا تزکیہ اس درجہ کا ہوگیا کہ اس سے زیادہ تزکیہ کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ لہٰذہ صحابی صرف ایک اصطلاح نہیں بلکہ اپنے اندر معانی کی ایک دنیا لیے ہوئے ہے۔ تمام انسانی کمالات کے اعتبار سے یہ شخص مثالی شخصیت ہے۔ ایمان، تقویٰ، ورع، دیانت، امانت، صداقت اور تمام اخلاق عالیہ کا نہ صرف جامع بلکہ مثالی انسان ہے جس کا مقابلہ کوئی ایسا شخص نہیں کرسکتا جو صحابی نہ ہو۔ اور یہ عظیم رتبہ اور درجہ سوائے برکاتِ صحبتِ نبویؐ نصیب نہیں ہوسکتا۔ مثلاً کثرتِ عبادت، جہاد یا شہادت، تعلیم و تعلّم ہر وصف اگرچہ بڑی عظمت کا حامل ہے اور عین ممکن ہے کہ کوئی غیر صحابی اِن اوصاف میں کسی صحابی سے بڑھ بھی جائے مگر صحابیّت کے رُتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ جب برکات صحبتِ نبویؐ ہوئیں تو صحابیؓ بننے پر جو کمالات اسے حاصل ہو گئے اس کی حقیقت اللہ کی کتاب سے پُوچھیئے جس میں از اوّل تا آخر صحابہ کرامؓ کے اوصاف اور ان کی عظمت یوں پھیلی ہوئی نظر آتی ہے جیسے آسمان پر تارے چمک رہے ہیں۔ برکاتِ صحبتِ نبوی کی نعمت براہِ راست اس وقت بٹتی تھی جب حضور اکرمؐ دارِ دنیا میں جلوہ افروز تھے۔ مگر جب آپؐ یہاں سے پردہ فرما گئے برکاتِ نبوّت کا بابِ عالی بند نہیں ہوا۔ جسطرح تعلیماتِ نبویؐ کی دولت بٹتی رہی اور بٹ رہی ہے اسی طرح برکاتِ نبویؐ کی دولت بھی بٹتی جارہی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مدارج میں تفاوت ہوگیا۔ یعنی بعد میں کوئی صحابی تو نہ بن سکا۔ لیکن صحبتِ صحابہ سے جو برکات نبویؐ تقسیم ہوئیں ان کی بدولت تابعی بن گئے۔ اسی طرح تبع تابعی۔ برکات نبویؐ کے بھی مختلف مدارج ہیں۔
صحابہ کرامؓ کی خصوصیات کے سلسلہ میں ایک وصف بیان ہوا: ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ: یعنی ان کے دِل اور کھالیں، قلب سے قالب تک ہر ذرّہ اللہ کا ذکر کرنے لگ گیا۔ یہی نعمت صحابہؓ سے تابعین کو اور تابعین

سے تبع تابعین کو اور ان سے اولیاء اللہ کو نصیب ہوئی۔ یعنی فیضِ صحبت ہی سے قلب ذاکر ہو جاتا ہے اور جب قلب ذاکر ہو جائے تو وہ قالب کو ذاکر بناتا ہے اور انسان ذکرِ کثیر کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ وہ خوش نصیب جو اس نعمت سے بہرہ ور ہوئے ان کی دو قسمیں ہو گئیں۔ ایک وہ جو کہ ذکرِ الٰہی کی برکات سے اپنی ذات تک محدود رہے۔ دوسرے وہ جو اس نعمت کو دوسروں میں تقسیم کرنے کی خدمت پر بھی مامور ہو گئے، اس دوسری قسم کو مشائخ کہا گیا۔ اور اس نعمت کے بانٹنے کے جو مختلف قاعدے اختیار کئے گئے وہ سلاسلِ تصوّف و سلوک کہلائے۔ یہ صورت بالکل اسی طرح ظاہر ہوئی جس سے تعلیماتِ نبویؐ کا سلسلہ آگے بڑھا۔ یعنی کچھ تو تعلیماتِ نبویؐ سے اسی قدر اپنا حصّہ لے سکے کہ ایمان اور عملِ صالح کے اوصاف سے متصف ہو سکے۔ کچھ دوسرے ذرا آگے بڑھے اور تعلیماتِ نبوی پھیلانے کا فریضہ ادا کرنے لگے۔ یہ حضرات علماء کہلائے۔ پھر ان میں کسی کو تفسیر میں، کسی کو حدیث میں، کسی کو فقہ میں خصوصی مہارت حاصل ہوئی۔ اور اسی حوالہ سے مفسّر، محدّث اور فقیہہ کہلائے۔

یہ یاد رہے کہ کیفیات میں اقسام نہیں۔ اس لیے مجاہدہ اور طریقہ گو اپنا اپنا ہو کیفیات سب کی ایک ہی ٹھہریں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ برکاتِ نبویؐ کا پانے والا کبھی تعلیماتِ نبوّت سے بے بہرہ نہ رہا۔ مگر صرف تعلیمات پر اکتفا کرنے والا برکاتِ نبوّت کو از خود نہ پا سکا۔ تا آنکہ اسے کسی حاملِ برکات کی صحبت نصیب نہ ہو۔ اسی لیے یہ قاعدہ ہے کہ ہر ولی اللہ عالم ہوتا ہے مگر ہر عالم ولی اللہ نہیں ہوتا۔ تحصیلِ علم کے بعد فلاں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور فیوضاتِ باطنی حاصل کئے۔ یہ خصوصیّت تو صرف اس دورِ انحطاط کی ہے کہ اوّل تو لوگوں نے دین کا علم حاصل کرنا ہی چھوڑ دیا ہے اور جو پڑھتے ہیں وہ بس چند تقریریں رٹ کے مدارس سے بھاگ نکلتے ہیں۔ برکاتِ نبویؐ کے حصول سے

کی فکر کجا، فیضِ نبوی کے اس حصّے کی تردید شروع کر دیتے ہیں اور قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی کے اصول سے صرفِ نظر کر کے اسی پر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہم نے جتنا علم حاصل کر لیا وہی عظمت کی معراج ہے۔ عالت یوں ہو جاتی ہے کہ:

؎ لوگ کہتے ہیں کہ اکبر ہے بی اے پاس
پھر کیوں ہے رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا؟

نفسِ ایمان تو ان کو بھی نصیب ہُوا جو حضور اکرمؐ کی بعثت سے قبل بعثت کے متعلق یقین رکھتے تھے مگر قبل بعثت فوت ہو گئے۔ اور ان لوگوں کو بھی نصیب ہُوا جن تک تعلیماتِ نبوی کسی صورت میں پہنچ گئیں۔ اور انہوں نے انہیں سینے سے لگا لیا۔ مگر کمال ایمان انہی کو نصیب ہُوا جو برکاتِ صحبت حاصل کر گئے۔

آخر میں بیعت و ارشاد کے متعلق جسے پیری مریدی کہتے ہیں کچھ عرض کرنا ہے بیعت و ارشاد کی اصل اور اس کا مقصد اسی کمال کا حصُول ہے۔ محض اصلاح کے لیے تو کسی بھی عالمِ ربانی سے بیعت درست ہے۔ ہاں جو خود ضروریاتِ دین سے واقف نہ ہو ایسے جاہل کی بیعت حرام ہے۔ اور بیعت سلوک یا تصوف صرف ایسے کے ہاتھ پر جائز ہے جو نہ صرف قلب کو ذاکر بنا دے بلکہ رُوح میں قوّت پرواز پیدا کرنے کا سلیقہ بھی رکھتا ہو۔ تاکہ سالک کو روحانی طور پہ بارگاہِ نبوی میں داخل کر دے۔ جسے اصطلاحِ تصوّف میں "فَنَاءْ فِی الرَّسُوْلِ" کہا جاتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو بیعت سے وقت کے ضیاع کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا بلکہ گمراہ ہونے کا خطرہ بھی ہے۔

اللہ کریم سب مسلمانوں کو فہمِ دین، توفیقِ عمل اور حضور اکرمؐ کی سچی محبّت کی دولت عطا فرمائے: آمین!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرور زمانہ نے جہاں بہت سے افکار میں تبدیلیاں پیدا کی ہیں وہاں اس نے اسلام میں ایک عجیب سی پارسائی پیدا کر دی ہے۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں اس کی وجہ میری سمجھ کے مطابق صرف یہ ہے کہ جب میدان عمل میں کام کرنے والے لوگوں نے دین سے دوری اختیار کی اور نماز روزہ ذکر اذکار صرف ان لوگوں میں رہ گئے جو جسمانی طور پر یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے میدان عمل میں جگہ نہ پا سکے۔ جسمانی اعتبار سے معذور تھے یا بینائی کمزور تھی یا مالی وسائل ایسے نہ تھے کہ انہیں کوئی قابل ذکر جگہ میدان عمل میں ملتی۔ تو یہ معذوری شاید ان کے لئے تو نجات کا سبب بن جائے لیکن ہمارے ہاں یہ روش اپنا لی گئی کہ پھر جس بندے نے نماز روزہ نیکی شروع کی وہ عمل کے معاملہ میں سست ہوتا گیا اور میدان عمل سے پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ تسبیح سارا دن پھرتی رہے گی' باتیں سارا دن حور و قصور کی ہوں گی' آخرت کی ہوں گی' آخرت میں بھی حوروں کی' نہروں کی' دولت کی' لباس کی باتیں ہوں گی۔ لیکن عملی زندگی میں اتنا تساہل کہ کوشش کریں گے کہ کہیں امام و الضالین امین کہہ کر سورۃ شروع کر لے جب وہ ختم ہونے کے قریب آئے تب کھڑے ہوں تب ہم نماز پیچھے شروع کر لیں گے۔ کہیں پہلے اتنی دیر کھڑا نہ رہنا پڑے۔

یا آپ احباب کا یہ عمل کہ جو اس دوازے سے داخل ہوتا ہے وہ وہاں نیت باندھ دیتا ہے۔ یعنی وہاں سے یہاں تک آنے میں گویا کوئی سات دریا ہیں ان سے گزرنا مشکل ہے ایک طرف کوئی نمازی نہیں دوسری طرف سارا کونہ بھرا ہوا ہے کیا مرغیوں کا ڈربا ہے یہ۔ کیا ضرورت ہے آپ لوگوں کو دین سیکھنے کی؟ جب عمل میں اتنی جرات بھی نہیں۔ جس قوم میں عمل کا اتنا فقدان ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے ' ضابطہ موجود ہے کہ جو پہلے آئے وہ پہلی صف میں کھڑا ہو اور جب تک پہلی صف مکمل نہیں ہوتی دوسری صف شروع نہ کی جائے۔ یہاں جمعے کو بھی کبھی پہلی صف مکمل نہیں ہوتی تقریر اور خطبہ پڑھنے کے بعد پھر

کہنا پڑتا ہے کہ بھئی صف مکمل کرو یعنی پورا ڈیڑھ گھنٹہ گزر جانے کے بعد جہاں جگہ مل جائے گزارا ہو سکے وہاں ٹھیک ہے۔ تو کیا سمجھتے ہیں آپ ایسی بیزاری سے پڑھی ہوئی نمازیں کیا اثر پیدا کریں گی؟ جس نماز کے اہتمام کے لئے ہم مسجد کے اندر چار قدم نہیں چل سکتے اتنی بوجھ ہے وہ ہم پر اسی میں کتنا ثواب ہو گا۔ اور کون سا ثواب اسے ملے گا۔

دوسری بات صرف یہ نہیں ہے کہ نماز میں ثواب نہیں ہو گا۔ اللہ کرے نمازوں میں دس گنا ہزار گنا زیادہ ثواب ملے اصل بات یہ ہے کہ اس سے عملی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ ہر آدمی صرف اتنا عمل کرے گا جو اسے مجبوراً" کرنا پڑے گا۔ اور جو کام مجبوراً" کئے جاتے ہیں ان سے تبدیلی نہیں آتی' مثبت تبدیلی نہیں آتی بلکہ اس آدمی کے خلاف تبدیلی آتی ہے' مخالف قوتیں اس پر غلبہ پاتی چلی جاتی ہیں اور وہ بندہ مغلوب ہوتا چلا جاتا ہے۔ مثبت تبدیلی وہ لوگ لاتے ہیں یا مقابلہ وہ لوگ کر سکتے ہیں جن میں آگے قدم رکھنے کی ہمت ہوتی ہے۔ جو قدم قدم پیچھے ہٹتے ہیں ان سے قوم کو کیا حاصل؟ اس سے قوم کیا امید رکھے؟ یاد رکھیے اگر آپ کو اللہ کی عبادت کرنی ہے تو تھوڑی کر لیجئے زیادہ نہ کیجئے لیکن جو کیجئے وہ قانون کے مطابق کیجئے۔ اللہ کو یہ پسند نہیں ہے کہ آپ لمبا سجدہ دیتے دیتے ساری رات گزار دیں لیکن وہاں سے یہاں تک صف میں آنے کی ہمت نہ ہو۔ اس لمبے سجدے کی ضرورت نہیں ہے۔ کھڑا ہونے میں اتنا تساہل! آپ خود کبھی غور فرمائیے گا جب امام دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو ہر بندے کو کھانسی کیوں شروع ہو جاتی ہے کیا اس رکعت میں وائرس داخل ہو جاتا ہے؟ تنگ آ چکے ہوتے ہیں لوگ۔ اس طرف توجہ ہی نہیں ہوتی کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں خیال یہ ہوتا ہے کہاں پھنس گئے یار۔ کچھ جمائی لی' کچھ کھانسی کی آگے امام پڑھ رہا ہے وہ سنائی نہیں دیتا سپیکروں پر ہر طرف سے کھانسی کی آوازیں آ رہی ہیں۔ اسلام نے جو نمازیں تعلیم کی تھیں ان میں وہ دیکھا کرتے تھے کہ سپاہی کو تیر لگ گیا ہے نکل نہیں رہا جب نماز شروع کرے گا کھینچ لیں گے اور کھینچ جاتے تھے

نمازی کو پتہ نہیں ہوتا تھا کہ کسی نے تیر کھینچ لیا ہے یا خون ابل رہا ہے۔ وہ اللہ کی عبادت ہوتی تھی اور اللہ کے روبرو ہوتی تھی اور اللہ کو روبرو سمجھتے تھے۔ تو طریقہ ذکر' یہ سلاسل تصوف' جو کچھ ہم نے ان کے ساتھ کیا ہے اب یہ اللہ کی مرضی ہے کہ اس کے بدلے وہ ہمیں معاف کرتا ہے' نجات دیتا ہے یا شاید اسی سزا میں وہ پکڑ لیتا ہے۔ اگرچہ ہم نے پورے خلوص کے ساتھ محض دین کا نام روشن کرنے کے لئے کیا ہے۔ اس کے لئے ہمیں کسی پیری فقیری کی' کسی اپنی شہرت کی' کسی سے پیسے لینے کی' کسی سے فائدہ اٹھانے کی' کسی سے مال جمع کرنے کی کوئی ضرورت' کوئی خواہش نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہم نے اسے اتنا عام کیا ہے کہ شاید یہی جرم ہمارے لئے ناقابل معافی ہو جائے کہ ایسے لوگوں کو تم یہ سکھاتے رہے جنہوں نے ذکر الٰہی کو' مراقبات کو' مکاشفات کو' اپنی شہرت کے لئے استعمال کیا اور آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں یہ نہیں جانتا ہوں۔ میں یہ سارے حیلے جانتا ہوں۔ مجھے پتہ ہے کون کیا کیا کرتا ہے؟ مجھے خبر ہے لوگ کیا کیا کرتے ہیں؟ میں اسے بند نہیں کروں گا اس لئے کہ میں اسے بند کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔ میرا احسان بھی نہیں ہے لوگوں پر' کوئی مہربانی نہیں ہے کہ میں ہر بندے کو سکھا رہا ہوں۔ یہ میری ڈیوٹی ہے' میری مجبوری ہے۔ میں اسے نہیں روک سکتا۔ لیکن مجھے یہ احساس بھی ہے اور اب مجھے سمجھ آ گئی ہے۔ کہ کیوں بزرگان دین ساری ساری زندگی میں صرف چار پانچ آدمیوں کو اللہ اللہ سکھاتے باقی جو آتا اسے تسبیح پکڑا کر بھگا دیتے' دعا دے دیتے تھے یا کہہ دیتے کہ فلاں آیت پڑھا کرو' فلاں سورۃ پڑھا کرو۔ اسے اذکار و مراقبات کا نہیں بتاتے تھے۔ مولانا احمد علی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ جو کل فوت ہوئے (باسٹھ میں ان کا وصال ہوا تھا غالباً"۔) اپنے زمانے میں قطب ارشاد تھے اور منازل عرش پر عرش کے کسی حصے میں تھے۔ روئے زمین پر پانچ میں سے ایک بندہ ہوتا ہے قطب ارشاد۔ روئے زمین پر جتنی انسانیت ہوتی ہے نا اس میں پانچویں نمبر کا بندہ ہوتا ہے۔ ان کے لاکھوں مریدین ہیں کسی ایک سے پوچھئے لطیفہ قلب کیسے ہوتا ہے؟

کسی ایک سے پوچھئے کہ ذکر خفی کیسے ہے؟ لطائف کے نام ہیں؟ مراقبات کہتے کسے ہیں؟ کسی ایک سے پوچھئے یہ کوئی نہیں بتائے گا۔ ایک آدمی کو اللہ نے قطب ارشاد بنایا زمانے کی رشد کا ناطہ اس کے وجود سے جوڑ دیا اور اس نے دس بندوں کو بھی ذکر قلبی نہیں سکھایا ایسا کیوں کیا؟ ایسا اسی لئے کیا کہ جو ان کا معیار تھا اس کے مطابق کوئی اس قابل بندہ ان کے پاس نہیں گیا۔

ہم نے کوئی معیار نہیں رکھا کوئی بھی معیار۔ مرد' عورت' بچہ' بوڑھا' چھوٹا' بڑا جو آتا ہے ایک مٹکا رکھا ہے اس میں ڈبو دو اسے۔ لیکن یہ میں آپ کو بتا دوں ہمارے ساتھ جو ہو گی سو ہو گی آپ بھی چھوٹ نہیں سکیں گے پوچھا آپ سے بھی جائے گا کہ یہ دولت لے کر بھی تم نہ سدھر سکے۔ اگر اس چیز نے بھی تمہاری اصلاح نہیں کی تو پھر بتاؤ تمہاری اصلاح کے لئے آسمان سے کیا نازل کیا جائے؟ یہ آخری علاج بھی ہے' یہ آخری دوا بھی ہے اور اس سے جو لا علاج ہوا ہے ذرا تاریخ میں ان کے حالات پڑھئے یہ انسان کو بہت بلندی پر تو لے جاتا ہے لیکن انسان جتنی بلندی پر جائے اسے اتنی اپنی حقیقت زیادہ واضح اور دور تک نظر آتی ہے کہ میری حیثیت کیا ہے؟ میں کون ہوں؟ تو خدا کے لئے اس کی حقیقت کو سمجھئے۔ اسے محض رواجا" اور محض کلاسیں گننے کا ذریعہ نہ بنائیے کہ میرے اتنے مراقبات ہو گئے' مجھے اتنے مشاہدات ہوتے ہیں۔ یہ مشاہدات اور مراقبات کوئی شے نہیں ہے' اگر اللہ نہ چاہے۔ ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے۔

میں حضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ جا رہا تھا حضرت گھوڑی پر سوار تھے میں پیدل تھا گھوڑی ذرا تیز چلتی تھی اس لئے باقی ساتھی کچھ پیچھے رہ گئے۔ میں اور حضرت اکیلے تھے تو فرمانے لگے یار فلاں بزرگ ہے وہ بڑی تکلیف میں تھا۔ میں نام جانتا تھا ان کا تاریخی اعتبار سے جو ان کا مقام ہے میں وہ بھی جانتا تھا۔ ان کی کرامات سے بھی میں واقف تھا اور ان کی کرامات میں ان کی ایک تصنیف بھی ہے جس میں انہوں نے مشاہدے سے وہ معروف اور موٹی موٹی حقیقتیں جمع کر دیں جو ان کے کشف کے مطابق قیامت سے پہلے دنیا میں ضرور ظاہر

ہوں گی اور یہ اس زمانے کی بات ہے جب بیل گاڑیوں کا زمانہ تھا ریل اور موٹر نہیں تھی اس زمانے میں وہ شخص لکھتا ہے کہ ایسی سواری ہو گی جو سینکڑوں لوگوں کو لے کر مہینوں کی مسافت گھنٹوں میں طے کرے گی۔ اور وہ کھانے پینے والا زندہ جانور نہیں ہو گا۔ اس زمانے میں وہ لکھتا ہے کہ شہروں میں سوا نیزے پر روشنیاں ٹنگی ہوئی ہوں گی اور اس طرح کی عجیب باتیں انہوں نے لکھیں آج ایجادات کی صورت میں انسانوں کے پاس موجود ہیں۔ یعنی اپنے زمانے سے لے کر آج تک کی دنیا کا نقشہ اس کے سامنے موجود ہیں۔ یعنی اپنے زمانے سے لے کر آج تک کی دنیا کا نقشہ اس کے سامنے موجود تھا۔ لیکن وفات کے بعد میں نے حضرت سے سنا کہ "یار ایک مسئلہ آ گیا تھا میں نے کہا اس کی تحقیق کرتے ہیں جب ان سے پوچھنے کی باری آئی تو پتہ چلا کہ یہ تو بڑا مشکل ہے ان سے بات نہیں ہو سکتی وہ عذاب میں ہیں۔" آپ فرماتے تھے "میں نے کوشش کی کہ کچھ دیر ان کا عذاب رک جائے اور بات ہو سکے لیکن نہیں ہم سے بات نگڑی تھی۔" فرماتے ہیں میں نے کہا کہ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں عرض کرتے ہیں' بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں عرض کی۔ ان کے بارے میں بات کی تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نگاہ فرمائی ان کا عذاب رک گیا۔ ہم پھر وہاں پہنچے ان کے پاس گئے وہ اٹھ نہیں سکتے تھے پھر انہیں بڑی مشکل سے کھڑا کیا اور اٹھا کر بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں لائے۔

عذاب رک گیا پھر تھوڑی دیر بعد ان کی شکل تبدیل ہونا شروع ہو گئی۔ چونکہ عذاب میں شکل انسانی نہیں رہتی۔ اور فرمانے لگے "یہ سب کچھ صرف اس لئے ہوا کہ مقامات سلب ہو گئے تھے لیکن نور ایمان قلب میں قلب تھا اس پائے کا بندہ تھا وہ۔ تو بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں کھینچ کر جب ہم لے آئے تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے دو جوڑے لباس منگوایا ایک انہیں عطا کر دیا جو انہیں زیب تن کروایا اور مجھے فرمایا کہ دوسرا میں تمہارے لئے رکھ رہا ہوں جب آؤ گے لے لینا۔" حضرت رحمتہ اللہ علیہ یہ فرما کر خاموش ہو گئے اور میرے دل

میں عجیب کھلبلی اس بات کی مچی ہوئی تھی کہ آخر اتنے بڑے آدمی کے ساتھ ایسا کیوں تھا۔ وہ زمانہ ایسا تھا اور ہم کچھ بندے ایسے تھے کہ شیخ جو کہتا تھا اس پر ہمارے دل میں سوال پیدا نہیں ہوتے تھے کہ ایسا ہوا یا نہیں ہوا؟ یہ عجیب بات تھی یا ہم بے وقوف تھے یا وہ زمانہ ہی بے وقوفی کا تھا کہ ہم نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ ایسا نہیں ہوا ہو گا۔ ہمیں یقین کامل ہوا کرتا تھا کہ شیخ جو کہہ رہا ہے وہ طے ہے۔ لیکن کیوں ہوا؟ یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی مجھے۔ یہ بات پریشان کر رہی تھی مجھے۔ کہ اتنا بڑا آدمی! اتنا صاحب کرامت بندہ! اور اتنا بڑا نام کہ تاریخ میں ہلچل مچ جائے اگر نام لیا جائے تو پھر وجہ کیا ہوئی؟ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے پتہ تھا یہ تم پوچھو گے اس لئے کہ یہی سوال مجھے بھی پریشان کر رہا تھا اور پھر میں نے ان سے یہ سوال کیا تھا کہ آخر آپ کے ساتھ ایسا کیوں ہوا۔ تو کہنے لگے " میرے بہت زیادہ تیز مشاہدات تھے اور ہر بات میں میں کشف کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا مجھے مشاہدات ہوتے تھے تو بات بات میں مشاہدات ہی سے (مدد) لیتا تھا۔ نزع کے وقت میرے سامنے راستہ بن گیا پھر اس کے ساتھ ایک اور راستہ بن گیا پہلے ایک کھلی واضح سڑک بن گئی اشارہ تھا کہ چلو راستہ پہ چلو بھائی اچانک اس کی بائیں طرف ساتھ ایک اور راستہ بن گیا وہ بھی بڑا روشن تھا اور اس پر بھی آواز آئی کہ ادھر آؤ تو میں نے ادھر قدم اٹھایا لیکن وہاں قدم رکھنے سے پہلے میں نے واپس کھینچ لیا کہ یہ بدمعاشی تو شیطان کر رہا ہے۔ راستہ تو وہی ہے جو پہلے آیا تھا لیکن تب تک میرے مقامات سلب ہو چکے تھے اگر میں قدم رکھ دیتا تو ایمان بھی گیا تھا۔ میں نے اس راستے پر قدم رکھا نہیں لیکن وہاں رکھنے کے لئے اٹھایا تو ہے اٹھا کر میں نے جب واپس قدم رکھا تو میرے مقامات سلب ہو چکے تھے اور مقامات کی سلبی کے ساتھ عبادات سلب ہو گئیں ختم ہو گئیں اور برزخ میں مجھے عذاب سہنا پڑا۔ اور ہزارہا برس بارہ تیرہ سو سال کے بعد اللہ نے یہ نجات کا ذریعہ بنایا۔ یہ بھی اس کی رحمت متوجہ ہوئی کہ اس نے تم لوگوں کو میری بخشش کا سبب بنا دیا۔" حضرت رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے ان سے پوچھا کہ پھر تو آپ

کے پہلے جو منازل ہیں اللہ کرے وہ بحال ہو جائیں۔ میں آپ کے ساتھ محنت کروں، کوشش کروں اور آپ کو آگے لے جاؤں کہنے لگے نہیں۔ میرے لئے آخری منزل یہی ہے کہ میں بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں پہنچ گیا بس اب مجھے کسی اور منزل کی، کسی دوسرے مراقبے کی، کسی ترقی کی، کوئی حسرت نہیں ہے۔ میرے لئے بہت بڑا انعام ہے کہ میں وہاں سے چھوٹ کر یہاں آگیا۔

آپ کو تو کشف ہے نہیں۔ یہ معمولی انوارات کسی کو نظر آ جانا یا خواب کی طرح کوئی خیال گزر جانا اس پر آپ پیر بنے بیٹھے ہیں۔ کشف بڑی مختلف چیز ہوتی ہے اور آپ کو تو ہوا ہی نہیں اور جنہیں ہوتا ہے ان کی زبانیں بند کر دیتا ہے۔ یہ ایسی ظالم حقیقتیں کھولتا ہے کہ زبان پر لانے کی جرات نہیں چھوڑتا اور اگر زبان کھل جائے تو پھر بندہ نہیں رہتا۔

آپ کو تو ایک گنگ (گھٹلی) مل گئی ہلدی کی اور آپ پنساری بن گئے کہ ایک روایت ہے نا، پنجابی کی ایک ضرب المثل ہے کہ چوہے کو ہلدی کی گڈھی مل گئی تھی اور وہ پنسار کی دکان کھول بیٹھا۔

انوارات کا نظر آ جانا یا معمولی مراقبات کا نظر آ جانا یا چھوٹی موٹی بات کا نظر آ جانا یہ کشف اور مشاہدہ نہیں ہے۔ اہل اللہ کا مشاہدہ بڑی عجیب شے ہے۔ اہل اللہ صدیوں کو لمحوں کی نسبت میں کھڑا ہوا دیکھتے ہیں۔ گذشتہ ہوں یا آنے والی ہوں۔ جو شخص بارگاہ الوہیت میں اپنے آپ کو دیکھ سکتا ہے وہ کائنات کے ذرے ذرے کو دیکھ سکتا ہے۔ ان کا کمال نہیں ہوتا یہ اس بارگاہ کا کمال ہوتا ہے جہاں ہر چیز دست بستہ کھڑی ہوتی تھی اس کے دائیں بائیں۔

بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں جن کو مسند ملتی ہے ان لوگوں کی اہمیت کو آپ جان ہی نہیں سکتے۔ ان لوگوں کے چند لفظ جو ہوتے ہیں وہ تاریخ کے دھارے بدل دیتے ہیں اور روئے زمین پر کھلبلی مچا دیتے ہیں۔

میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس نعمت کی قدر کو جانئے اور آج اگر نصیب ہے تو سنبھالئے...... لیکن اگر آپ تساہل پسندی سستی بے دلی کا

شکار رہے تو معاملہ الٹ سکتا ہے بھائی۔ اور آپ کو پتہ ہے سب سے زیادہ حسرت کن لوگوں کے لئے ہے؟ ان کے لئے جو زندگی بھر عبادتیں بھی کرتے رہے' محنتیں بھی کرتے رہے اور مرنے کے بعد دوزخ کا پانی پینا پڑا اور اللہ کے عذاب بھی برداشت کرنے پڑے۔ تصوف و احسان' ذکر و افکار' مراقبات شیخ کی محنت' یہ بیانات' یہ تعلیم و تعلم اس کا مطلب ہے کہ آپ کی زندگی میں مثبت تبدیلی آئے اور کوئی کام کرنے لگیں تو دوسرا بڑھ کر ہاتھ تھام لے کہ میں کروں گا تیسرا اٹھ جائے کہ میں کروں گا۔ جان دینے کی باری آئے تو منتخب کرنا مشکل ہو جائے۔ ہر آدمی کے دل میں یہ جذبہ ہو کہ میں مروں گا۔ تب حق ادا ہوتا ہے اس نعمت کا۔ اور تب آپ اس قابل ہوں گے کہ کم از کم اپنے وجود کو تو انقلاب آشنا کر سکیں' اپنے وجود میں تو ایک تبدیلی ایک طوفان پیدا کر سکیں۔ اور یہ مٹھی بھر وجود زمانے میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے اگر اس میں خود یہ انقلاب پیدا ہو جائے۔ جو لوگ محض گزارا کرنے کے لئے جیتے ہیں کہ جی چلو یہاں گزارا ہو جائے گا زیادہ مشکل میں پڑنے کی ضرورت نہیں' تو ان کے پاس وہ گزارے کی جگہ بھی کبھی نہیں رہتی۔ بالاخر وہ بھی چھن جاتی ہے۔ اس کائنات کا نظام ایسا ہے کہ یہاں SURVIVAL OF THE FITNESS کا قانون چلتا ہے جو جتنا زیادہ اپنے آپ کو حقدار ثابت کرتا ہے وہاں رہنے کا وہ اتنا زیادہ وہاں قابض رہ سکتا ہے۔ جب اس کی گرفت کمزور پڑ جاتی ہے تو کوئی دوسری طاقت آ جاتی ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں ایک چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک ہر کمزور کو طاقت ور کھا جاتا ہے۔ کسی کمزور کی کمزوری کوئی عذر نہیں ہے۔ کہ میں کمزور ہوں مجھے چھوڑ دو۔ کمزور کو کبھی کوئی نہیں چھوڑتا اور اگر چھوڑتے ہیں تو اتنی دیر جب تک انہیں شبہ ہوتا ہے کہ کہیں اس میں بھی کوئی طاقت نہ ہو۔ یہ معذرت خواہانہ اسلام اور مسکینانہ اسلام اور یتیم سا اسلام اور بھاگا ہوا اور کمزور اسلام کہ بس جی معاف کر دو جی میں مسلمان ہوں بھئی یہ خدا کو نہیں چاہئے۔ یہ اسلام نہیں ہے۔ اسلام وہ ہے کہ ہزاروں سنگینوں کے سائے میں بھی کھڑا ہو کر کہہ سکے کہ میں صرف اللہ کا بندہ

ہوں اور اس کے آگے جھکوں گا۔ غیر اللہ کے سامنے میری گردن کٹ سکتی ہے
جھک نہیں سکتی۔ میری عملی زندگی میں کسی غیر اللہ کا تصرف نہیں ہو سکتا' میرے
کردار پر کوئی غیراللہ اور کوئی ایسی طاغوتی طاقت اپنا قبضہ نہیں رکھ سکتیں۔ یہ
جرات حاصل کرنے کے لئے یہ مقام حاصل کرنے کے لئے یہ سارا کچھ آپ کر
رہے ہیں' یہ سارا مجاہدہ ہو رہا ہے۔ تو یہ چھوٹی چھوٹی باتیں جو ہیں نا یہ بندے کی
جرات کا پتہ دیتی ہیں کہ عجیب بات ہے جناب جہاں سے داخلے کا دروازہ ہے وہیں
قریب سارے جمع ہوتے جائیں کیا آپ یہ نہیں سوچتے کہ ہم سب میں یہ تساہل آ
گیا ہے کہ ہم اٹھ کر چند قدم تک جانے کی ہمت نہیں کرتے تو آپ خود' سوچیے
کہ کیا یہ اچھی بات ہے؟ یا ایسی نمازیں اللہ کو چاہئیں؟ ایسا کرنا چھوڑیے۔ اسلام
پر فخر کیجئے اور اس قابل بنئے کہ اسلام آپ پر فخر کر سکے۔ تب آپ کو اسلام پر فخر
ہو گا جب اسلام آپ پر فخر کرنے کے قابل ہو گا۔ اور یہ ثابت کر جایئے کہ اسلام
ایک جرات کا نام ہے' اسلام ایک بے باکی کا نام ہے' اسلام ایک قوت اور طاقت
کا نام ہے۔ مسلمان مالی طور پر غریب ہو سکتا ہے لیکن اس کا دل مستغنی ہوتا ہے'
وہ خریدا نہیں جا سکتا۔ وہ جسمانی طور پر کمزور ہو سکتا ہے لیکن اس میں جرات
رندانہ ہوتی ہے' اس پر کوئی غیر اسلامی قوت حاکم نہیں بن سکتی' تسلط نہیں کر
سکتی۔ اس کی کمزوری اور مجبوری پر اسے ایذا پہنچا سکتی ہے' تکلیف دے سکتی ہے'
اپنا تابع نہیں بنا سکتی۔ تب بات بنے گی جا کر۔ ان چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں کو درگزر
نہ کیجئے۔ ان کو برداشت نہ کیجئے بلکہ ان کو دور کیجئے اور ایک جرات پیدا کیجئے۔
ایک ہمت پیدا کیجئے۔ اللہ کریم آپ کو یہ توفیق عطا فرمائے۔